

(۱)

یوں تو باؤ اودے بھان لال کا خاندان بیسوں افراد پر مشتمل تھا۔ کوئی میرا بھائی کوئی پھپھیرا، کوئی بھاجا بھاتھا، کوئی بھتیجا، لیکن یہاں جیسیں ان سے کوئی سروکار نہیں، وہ کامیاب و گیل تھے بلکہ تھی خوش تھیں اور خاندان کے مفلس افراد کو سماں دینا ان کا فرض ہی تھا، ہماری کہانی ان کی لڑکوں سے متعلق ہے جن میں بڑی کام نہ رہا اور جھوٹی کافر شنا تھدے۔ بھی کل بھ دلوں ساتھ ساختہ گڑیاں کھیتی تھیں، نرلا کا پندرہواں سال تھا۔ کرشنا کا دسوائیں، پھر بھی دلوں کی نظرت میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ دلوں شوخ کھنڈڑی اور سیر و تفریج پر جان دیتی تھیں۔ دلوں دھرم دھام سے گڑکوں کا بیاہ رجاتی تھیں اور کام سے جی پڑاتی تھیں۔ ماں پکارتی رجتی تھی بیکن دلوں کو صفحہ پر جھپٹی رہتی تھیں کہ دھانے کس کام کے لیے بلاتی ہیں۔ دلوں اپنے بھائیوں سے لڑتی تھیں۔ تو گرد کوڑا جتنی تھیں اور باچے کی آواز سنتے ہی دروازے پر ہمگر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ لیکن آج یا کیسے ایک ایسی بات ہو گئی ہے جس نے بڑی کوڑی اور جھوٹی کو جھوٹی بنادیا ہے کرشنا دی ہے۔ لیکن نرلا تھیں، تمہائی پہنڈا اور شرمسی ہو گئی ہے۔ اور ہر ہیزوں سے بالو اودھے بھان لال نرلا کے بیام کی بات کمر رہے تھے۔ آج ان کی محنت ٹھکلنے لگی ہے۔ بالو بھال چندر کے بڑے لڑکے جھون ہو ہیں سنہا سے بات لگی ہو گئی ہے۔ بر کے پتا نے کہہ دیا ہے کہ آپ کی خوشی ہے جہیز دیں یا اندیں، بھجھاس کی پرواہ نہیں ہاں بدلاتیں جو لوگ ہائیں ان کی خاطر تو اسی اچھی طرح ہونی چاہیے جس میں میری اور آپ کی جگہ بنسائیں ہو ہبھالو اودے بھان لال تھے تو گیل لکن روپیریجع کرنے کے فن سے ناواقف تھے۔ دیزراں کے سامنے لکھن مسلسل تھا۔ اس لیے اب بر کے پتا نے خود کہہ دیا کہ مجھے جہیز کی پرواہ نہیں تو انھیں آنکھیں مل گئیں ڈرتے تھے۔ بجائے کس کے سامنے ہاتھ پھلانا پڑے۔ دو تین ہمراہ جنوں کو ٹھیک کر کھانا تھا۔ ان کا اندازہ تھا کہ ہاتھ روکنے پر بھی میں بزرار سے کم خرچ نہیں ہوں گے۔ اتنی تسلی پاکروہ خوشی سے بھولنے ہیں سائے۔

اس اطلاع نے الھڑڑک کائنہ ڈھانپ کر ایک کونے میں بھار کھا ہے۔ اس کے دل میں ایک بیگب خدشے نے لگھ کر لایا ہے۔ روئیں روئیں جیسیں ایک نامعلوم خوف سرات کر گیا ہے سخا نے کیا ہو گا؟ اس کے دل میں وہ امنگیں نہیں ہیں جو جوان لڑکوں کی آنکھوں میں ترقی چڑھنے

بن کر، بھروسوں پرستی سی ایک سکریٹ بن کر اور افضلہ میں اصلاح بن کر ظاہر ہوتی تھیں۔ نہیں وہاں آرزوگیں نہیں ہیں، وہاں صرف خدشات اور نکرات اور خوف زدہ تصورات میں جوانی ابھی پورے جو بن پرستیں ہے۔

کرشنا کچھ جانتی ہے اور کچھ کچھ نہیں جانتی جانتی ہے کہ بہن کو اچھے اچھے سمجھنے میں چکے۔ دروازے پر بائیجے کھیں گے۔ مہان ایسے گے، ناچ ہو گا۔ یہ جان کر خوش ہے، اور یہ بھی جانتی ہے کہ بہن سب کے طبقے مل کر رہے گی، یہاں سے رو دھو کر و داش ہو جائے گی۔ اور میں اکیل رہ جاؤں علی، یہ جان کر دکھی ہے، وہ یہ نہیں جانتی کہ یہ سب کس لیے ہو رہا ہے۔ ماتا جی اور پتا جی کیوں بہن کو گھر سے نکالتے کے لیے اس قدر ہے قرار ہیں۔ بہن نے تو کسی کو کچھ نہیں کہا، کسی سے لڑائی نہیں کی، کیا اسی طرح ایک دن مجھے سمجھایے لوگ مکال دیں گے ہمیں بھی اسی طرح کرنے میں بیخ کر رہوں گی لادور کسی کو بھجو پر رام نہیں آئے کہا؟ اس لیے وہ ڈری ہوں گی۔

شام کا وقت تھا۔ نر نلا جھٹ پر جا کر اکیل بیٹھی حسرت بھری نکالوں سے آسمان کی طرف تاک رہی تھی اس کے دل میں آئی تھی کہ پر ہوتے تو اڑ جاتی اور ان تمام بھروسوں سے بچوٹ جاتی۔ اس وقت اکثرہ دنوں نہیں کہیں سیر کرنے جا یا کرتی تھیں۔ بھی خال دھوئی (انجھے میں نہلا کرتی) اس نے کرتے کھو جنی پھر تھی۔ جب کہیں زپارا تو جھٹ پر آئی اور اسے دکھتے ہیں ہنس کر بول بھری یہاں اگر حصی بیٹھی بھلوڑ میں دھونڈتی پھرتی ہوں چلو بھی تیار کر آئی ہوں؟

درلا نے اس بھی کہا: ”تو جائیں نہیں جاؤں گی۔“

کرشنا: ”میں بھری کا اچھا دیدی، آج ضرور چلو۔ دیکھو کیسی ٹھنڈی ٹھنڈی ہو اچل رہی ہے۔“
مردا: ”میں نہیں چاہتا۔ تو چل جا۔“

کرشنا کی اکھیں ڈبڈ بآئیں۔ کافی ہونی آواز میں بول: ”آج تم کیوں نہیں ملتیں؟ مجھ سے کیوں نہیں بولتیں؟ کیوں لادھر اور چھپی بھپی پھرتی ہو؟ بھر ابھی اکیلے ملچھے ملچھے دل گھرا اتھے۔ تم نہ چلوگی تو میں کسی نہ جاؤں گی۔“ میں تھارے پاس بھی رہوں گی۔“

درلا: ”اندھیں چل جاؤں گی، تب کیا کرے گی؟“ تب کس کے ساتھ کھیلے گھر کے ساتھ گھونٹے جائے گی، بتا۔“

کرشنا: ”میں بھی تھارے ساتھ چلوں گی۔ اکیلے بھج سے یہاں نہ رہ جائے گا۔“

نر: ”مسکل اکر بول تجھے ماں نہ جلنے دیں گی۔“

کرشنا: ”تو میں بھی جیسی د جائے دوں گی۔ تم ماں سے کہ کیوں نہیں دستیں، مگر میں نہ جلوں گی۔“
فرسلہ: ”کہہ تو رہی ہوں، کوئی سنتا ہی نہیں سمجھتا۔“

کر شنا؟ تو کیا بگھر تھا لاہنہیں ہے؟"

نر لالا؟ نہیں میرا بگھر ہو تو کوئی زبردستی نکال دیتا ہے؟"

کر شنا؟ اس طرح کسی دن میں بھی نکال دی جاؤں گی؟"

نر لالا؟ اور نہیں کیا تو بیٹھی رہے گل ہی ہم رُکیاں میں ہمارا بگھر کہیں نہیں ہوتا؟"

کر شنا؟ چند رسمی نکال دیا جائے گا؟"

نر لالا؟ چند رسمی کامے، اسے کون نکالے گا؟"

کر شنا؟ تو رُکریاں بڑی خوبی ہوتی ہوں گی؟"

نر لالا؟ خراب نہ ہوئی تو گھر سے بھگنا کی رکوں جاتیں؟"

کر شنا؟ چند رسمی کامے، اسے کوئی نہیں بھگنا تا بھم تم لوگوں بد معاشری بھی نہیں کر سیں؟"

یکایک چند رسمی دھم دھم کرتا ہوا چھت پر آپنچا احمد نر لالا کو دیکھ کر ہوا؟ اچھا، آپ یہاں مجھے میں لاندا

آج تو بجائے بھیں گے، دیدی دلہن نہیں گی، پاکی پر چڑھیں گی، اور ہوا اور ہوا؟"

چند رسمی کامے، نر لالا نے ہم سال چھوٹا احمد کر شنا سے دوسال بڑا اختفا۔

نر لالا؟ چند رسمی چڑھائے تو ابھی جاگر اماں سے کہہ دوں گی؟"

چند رسمی تو چڑھائے کیوں ہو؟ تم بھی بلجے سننا۔ اور ہو، ہو! اب تم دلہن نہیں گی۔ کیوں کشی تو بجائے

سے گل نہ؟ ایسے بلجے تو نے کبھی نہ نہیں ہوں گے؟"

کر شنا؟ کیا بینڈ سے بھی اچھے ہوں گے؟"

چند رسمی ہاں ہاں بینڈ سے بھی اچھے بزار گئے اچھے، لکھنگنا اچھا تم جاؤ کیا؟ ایک بینڈ سن لیا تو

سمجھنگیں کر اس سے اچھے باجے ہی نہیں ہوتے! بابا جانے والے صرف سرخ درد بیان اور ہس سیاہ سیاہ

لٹپاں سینے ہوں گے۔ ایسے خوبصورت ہوں گے کہ تم سے کیا کہوں اُٹشاڑی بھی ہوگی۔ ہر ایساں کہاں

پر اُڑ جائیں گی اور وہاں تاروں میں لگیں تو الپ پیلے، ہرے نیلے تارے ڈٹ ڈٹ کر گریں گے۔ بڑا

مزہ آئے گا۔"

کر شنا؟ اور کیا ہو گا، چند رسمی بتا دے میرے بھتیا!

چند رسمی ساتھ گھومنے چل تو لاستہ میں ساری باتیں بتادیں ایسے تھا شے ہو لے گے کہ

وکھہ کر تیری آنکھیں کھل مائیں گی۔ ہو ایسی اڑتی ہوتی ہے یاں ہوں گی، پک پک کی پریاں!

کر شنا؟ اچھا چلو، لیکن نہ بتا دے تو مار دیں گی۔"

چند رسمی اور کر شنا پلے گئے مگر نر لالا تھا بیٹھی رہ گئی۔ کر شنا کے پلے جانے پر اس وقت اسے

بہت رنج ہوا۔ کر شنا، جسے وہ جان سے زیادہ پہنچا کرتی تھی، آج اتنی نے مردات ہو گئی کہ تھا چھوٹ کر

پلے گئی بات کچھ نہ تھی مگر کمی دل کھٹکی ہوئی اسکے بعد ہواستے بھی درد ہوتا ہے۔ نر طاہری دیر بیک
میں روں رہی بھائی بہن، ماں، باپ، سبھی اسی طرح مجھے بھول جائیں گے، سب کی آنکھیں پھر جائیں
گی اپھر شاید انھیں ذکریجے کو بھی ترس جاؤں۔

ہار فیض بھول کھلتے ہوئے تھے۔ آسمان پر تارے جیکے ہوئے تھے۔ نر ملا انھیں رکھ بھر خیالات
میں پڑے ہے سو گئی اور آنکھ لگتے ہیں اس سماں خیال عالم خواب میں گشت کرنے لگا۔ کیا دیکھتی ہے
کہ مٹا نہیں ایک دریا میں مار رہا ہے اور وہ اس کے کنارے پر کشتمی کا انتظار کر رہی ہے۔ شام کا
وقت ہے تاریکی کسی خوفناک جانور کی طرح بڑھتی ہے اور ہر ہی ہے۔ وہ سخت تفکرات میں بستا ہے کہ کس
طریقہ اس پار جا کر گھر پہنچوں گی۔ ردرہی ہے کہ کہیں رات دہو جائے۔ درنہ میں اکمل کیسے رسولوں کی دفعتہ
اسے ایک ٹھہر کشتمی بھاث کی طرف آتی ہوئی لظر آتی ہے۔ وہ خوشی سے اچل پڑتی ہے اور جو ہی کشتمی بھاث
ہے آتی ہے، وہ اس پر ڈھنے کے لیے بڑھتی ہے لیکن جو ہی کشتمی کے تختہ پر قدم رکھنا چاہتا ہے، ملاح بول
اٹھتا ہے کہ تیرے لیے یہاں جگہ نہیں ہے۔ وہ ملاح ہے منت کرتی ہے۔ اس کے پر دل پڑتی ہے۔ روتنی ہے
وہ برا ببری کہتا ہے کہ تیرے لیے یہاں جگہ نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں کشتمی کھل جاتی ہے۔ وہ زار و قطہ
روئے لگتی ہے۔ دریا کے سفان کنارہ پر تمام رات کیسے رہے گی، یہ سوچ کر وہ دریا میں کو دکھرا اس
کشتمی کو پکڑنا چاہتی ہے کہ اتنے میں کہیں سے آواز آتی ہے اٹھہر و ٹھہر و انہ کی گھری ہے ڈوب جاؤ گی۔
وہ کشتمی کے نہیں ہے۔ میں آتا ہوں۔ میری کشتمی پر بھجو۔ میں اس پار پہنچا دوں گا۔ وہ خوف زدہ
ہو کر ادھر ادھر بھجتی ہے کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ ذرا دیر بعد ایک چھوٹی سی ڈونگی آتی ہوئی دکھانی
رستگی ہے۔ اسی میں دپال ہے اور نہ پزار اور نہ مستول۔ پلندرا پھٹا ہوا، تختے ٹوٹے ہوئے اور کشتمی میں پانی
بھرا ہوا ایک شخص اس میں سے پانی باہر پھینک رہا ہے مھاں کے ہتھی ہیں تو لوٹی ہوئی ہے، کیجھ پار
لئے گی؟ ملاح کہتا ہے، نہماں کے لیے کیجھی ہے۔ اگر بیٹھ جاؤ۔ وہ ایک لمحہ سوچتی ہے کہ اس میں بھجن
یا زندہ بھجوں۔ بالآخر غرہ میجھے کا تھیہ کر لیتی ہے یہاں تھہا پڑی رہنے سے کشتمی میں بیٹھ جانا پھر بھی اچھا ہے۔
کسی خوفناک جانور کا لقہ ہونے سے تو کبھی بہتر ہے کہ ندی میں ڈوب جاؤ۔ کون جائے، کشتمی
پار لگ جی جاوے۔ یہ سوچ کر وہ حان کو سطلی میں لیے ہوئے کشتمی میں بیٹھ جاتی ہے، کچھ دیر تک
کشتمی دھکھاتی ہے مگر لمجھ بھی اس میں پانی بھرتا جا ہے۔ وہ بھی ملاح کے ساتھ دو نوں
ہاتھوں سے پانی باہر کھینکتے لگتی ہے۔ معلوم ہو جا ہے کہ اب ڈوبی اور تب ڈوبی! اس وقت وہ کسی
نادیدہ سہارے کے لیے اپنے دلوں پا تھر پھیلاتی ہے۔ کشتمی شمع سے کھسک جاتی ہے اور اس کے سر
کھڑا جاتے ہیں وہ زور سے چلاتی ہے اور پلاتے ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھاتو ملن سامنے
کھڑے ہو کر اس کا شانہ پکڑ کر اسے پلاؤ رہی تھی۔

ہبادار جہاں لال سماں کان بانا رہیں واقع ہے۔ برآمدہ میں سونار کے ہتھوڑے اور گردہ میں درزی کی سوئیاں چل رہی ہیں۔ سائنسیم کے درخت کے نیچے بڑی صنی چار پایاں نہار رہا ہے۔ کھجوریل کے تلے چلوائی کے لیے بھٹہ کھودا گیا ہے۔ مہماںوں کے لیے ٹلیوڈہ ایک سماں کا خلام کیا گیا ہے۔ یہ بندھت کیا جا رہا ہے کہ ہر ایک سماں کے لیے ایک ایک چار پائیں، ایک ایک کرسی اور ایک ایک میز ہو۔ ہر تین سماںوں کے لیے ایک ایک کھاڑ مقرر کر لے کی تجویز ہو رہی ہے۔ ابھی بارات کے کافی میں ایک ماہ کا وقفو ہے، مگر تیاریاں ابھی سے ہو رہی ہیں۔ برا ٹیوں کی ایسی خاطر کی جاوے کہ کسی کوزہ بانہ لائے کی فرورت نہ ہو، وہ لوگ بھی یاد کریں کہ کسی کے بیہاں بارات میں چلتے تھے۔ ایک پورا امسکان تھیں جسے سہرا ہوا ہے۔ پہلے کے سٹہیں، ناشتہ کی ٹشتریاں، اتحال، الٹے اور ٹھلاں۔ جو لوگ روزانہ چار پائیوں پر ٹھے خود پتے رہتے تھے وہ بڑی مستعدی سے کام کر رہے ہیں میں اپنی کارپور و ازی ثابت کرنے کا ایک ایسا مددہ موقع انھیں پھر بہت روز بند ملے گا۔ جہاں ایک آدمی کو جانا ہوتا ہے، پہلے نہ دوڑتے ہیں۔ کام کم ہوتا ہے، شور و فل زیادہ۔ ذرا ذرا اسی بات پر ٹھنڈوں جنت ہوتی ہے۔ اور بالآخر وکیل صاحب کو تصرفی کرنا پڑتا ہے۔ ایک کہنا پڑتا ہے، بہمی خراب ہے۔ دوسرا کہتا ہے، اس سے اجھا بازار میں مل جائے تو مانگ کے راہ نکل جاؤں۔ تیسرا کہتا ہے اس میں تو بد بوجا اُترے چو تھا کہتا ہے کہ تمہاری ناک ہی مٹر گئی ہے، تم کیا جان لگ کھی کسے کچھ ہیں۔ جب سے بیہاں آئے ہو، گھی ملنے کا ہے سدھہ گھم کے درشن بھی نہ ہوتے تھے اس پر تکرار بڑھتا ہے اور وکیل صاحب کو نہیں اسکا کہنا پڑتا ہے رات کے نوبت کے تھے۔ اور دے بھاں لال اندر بیٹھے ہوئے مصارف کا تجھیہ لگا رہے تھے۔ وہ دھو موہر روز تجھیہ لگاتے تھے مگر روز ہی اس بیکچہ نہ کچھ تھیم یا اضافہ کرنا پڑتا تھا میں مٹھیاں۔ میں بھیں کھڑی تھیں۔ بالآخر صاحب نے بڑی دیر کے بعد سراخٹا ایسا اورہ بولے۔ دس ہزار سے کم نہیں ہوتا بلکہ شاہد اور بڑھ جائے۔

میانی ۳۰ دن میں پانچ ہزار سے دس ہزار ہوئے ایک مہینہ میں تو شاہد ایک لاکھ کی ازدبت آجائے۔“

اد دے بھاں ہے کیا کروں؟ ہمگ ہنسائی بس تو چھپی نہیں لگتی۔ کوئی ہکایت ہوئی تو لوگ کہیں مجھے کہ نام بڑے اور درشن تھوڑے۔ پھر جب وہ مجھ سے جہیز کے نام ایک پائی نہیں لیتے تو میرا بھگ فرض ہے کہ مہماںوں کی خاطر و مدارت میں، میں کوئی بات نہ اٹھا رکھوں۔“

ملیاں۔ جب سے بہاگی نے دنیا کو بنایا تب سے آج تک کوئی برائیوں کو خوش نہیں کر سکا۔ انھیں عیب ٹھانے اور بہاں کر لے کا کوئی نہ کوئی موقع مل ہی جاتا ہے۔ جسے اپنے گھر سوچیں ملیاں

بھی نصیب نہیں وہ بھی بارات میں جا کر تانا شاہ بن جاتا ہے تیل خوشبو دار نہیں، صابن ملکے سیر کا
جانے کیاں سے ٹبوڑا لائے، کما رمات نہیں سنتے، لا یتیں دھواں دتیں ہیں، کرسیوں میں کھتمی ہیں،
چار پائیاں ڈھیل ہیں، جنوا سر کی جگہ ہزار دشکانائیں ہوتی رہتی ہیں، اپس
اپ کیاں تک رکھتے ہیں۔ اگر یہ موقع نہ لاتا تو اور کس عیب نکال لیے جاویں گے، بھی یہ تیل تو رندیوں
کے لگانے لائق ہے، ہمیں تو سادہ تیل چاہیے، جناب، یہ صابن نہیں بھیجا ہے اپنی امارت کی شان
دکھانے ہے، گویا ہم نے صابون دیکھا ہوا نہیں۔ یہ کہا نہیں یہم دوت (لکھ الموت) ہیں؟ جب
دیکھئے سر پر سوار! الا شینیں ایسی بھی ہیں کہ آنکھیں جھکتے گئن ہیں، اگر دس پالچ روز اسی روشنی میں
بیٹھنے پڑے تو آنکھیں بھوت جائیں جنوا سر کیا ہے ابھی گھٹ کا، سہاگ ہے جس میں چلدیں طرف سے
جھونکے آتے رہتے ہیں۔ میں تو پھر ہی کہوں گی کہ برا جوں کے سخنے کا خالی ہی چھوڑ دو۔“

اودے بھان: ”تو آخر تم مجھے کیا کرتے گو کہتی ہو؟“

سلیمان: ”کہہ تو ہی ہم کہ جنہے ارادہ کر لو کہ پانچ ہزار سے زیادہ نہ خوب کریں گے، گھر میں
ملکا ہے نہیں۔ قرض ہیں کا بھر دس کھمرا۔ تو پھر اتنا قرض کیوں لو کہ زندگی میں ادا نہ ہو۔ آفرمیرے
اور بچے بھی ہیں، ان کے لیے بھی تو کچھ چاہیے۔“

اودے بھان: ”تو کیا آج میں سراجا نا ہوں؟“

سلیمان: ”جیسے مرے کا حال کوئی نہیں جانتا“

اودے بھان: ”تو تم میھلی ہی منایا کر لی ہو؟“

سلیمان: ”اص میں بھڑائی کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مرنا ایک دن سمجھی کو بے بہان امر ہو گر
تھوڑا ہی آیا ہے۔ آنکھیں بند کر لئنے سے تو ہونے والی بات نہ ملے گی۔ درز آنکھوں سے دیکھنی ہوں
کہ باپ مر جاتا ہے اور اس کے پچھے گلے گلے خور کریں کھاتے پھرتے ہیں۔ آدمی ایسا کام ہی کیوں کرے؟“
اودے بھان نے جھٹا گر کیا۔ ”تواب سمجھ لوں میرے دن قرب آگئے۔ یہ تھا ری پیشگوں ہے
سہاگ سے عورتوں کو اکٹنے نہیں سناتھا، آج بھی بات معلوم ہوں رہنے اپے (بیوگی) ہیں بھی
کوئی سکھ ہو گا فردر؟“

سلیمان: ”تم سے دنیا کی بھی کوئی بات کھو جاتی ہے تو زہر اگلنے لگتے ہو۔ اسی لیے ذکر کہ جانتے ہو اس
کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے، نیزی ہی روٹھوں پر پڑی ہوئی ہے۔ یا اور کچھ ہے جہاں کوئی بات کھا کر لے سے
ترہ ہو گئے، گویا میں گھر لیونڈی ہوں میرا صرف روٹی کپڑے کھاتھے ہے جتنا ہی میں دیتی ہوں یعنی
اور بھی دباتے ہو، مفت خور سے مال اڑائیں اکثری مسند کھولے۔ شراب کیا بیس اور پے اڑیں، کوئی
زبان نہ ہلا کے۔ یہ سارے مکانیے میرے بچپن لئے کے لیے توبوئے جا رہے ہیں۔“

اودے بھان؟ تو میں کیا تمہارا مغلام ہوں؟"

کلیانی؟ "تو کیا میں تمہاری لونڈی ہوں؟"

اودے بھان؟ ایسے مرد اور ہوں گے جو عنوں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔"

کلیانی؟ "تراسی عوز میں بھی اور ہوں گی جو مردوں کی جوتیاں سہا کرتی ہیں۔"

اودے بھان؟ "میں کی کر لاتا ہوں، مجیسے چاہوں دیسے خرچ کر سکتا ہوں۔ کسی کو بولنے کا

اختیار نہیں ہے؟"

کلیانی؟ "تو آپ اپنا گھر سنبھالیے۔ ایسے گھر کو میرا دربھی سے سلام ہے، جہاں میری کوئی پوجھے نہیں۔ گھر میں تمہارا جتنا اختیار ہے اتنا میرا بھی ہے۔ اس سے جو بھر بھی کرم نہیں۔ اگر تم اپنے من کے راحد ہو تو میں بھی اپنے من کی لذی ہوں۔ تمہارا گھر نہیں مبارک رہے۔ میرے لیے بیٹ کی روٹیوں کی کمی نہیں ہے۔ تمہارے بچے ہیں، مارو یا جلاو۔ نہ آنکھوں سے دیکھوں گی نہ درد ہو گا۔ آنکھ پھوٹی پیر (درد) کشی۔"

اودے بھان؟ "میں تم سمجھتی ہو کہ تم نہ سنبھالوگی تو میرا گھر ہی نہ سنبھالے گا؟ میں تمہاں ایسے ایسے دس ان گھر سنبھال سکتا ہوں۔"

کلیانی؟ "کون! اگر کچھ کے تسبیں دن شی میں دل جائے تو کہنا کوئی گہنی تھی؟" یہ سختے کہتے کہتے کلیانی کا چبرہ تھتا اسنا۔ وہ جھپک کر اٹھی اور کرہ کے دروازہ کی طرف چل۔ وکیل صاحب مقدمات میں تو حرب "ہندی چندی" نکالتے تھے گر عورتوں کے مزاج سے انھیں کچھ تھوڑی ہجھاسی و انصیحت تھی۔ یہی ایک ایسا علم ہے جس سے آدمی میں ہونے پر بھی خالدہ بن جاتا ہے۔ اگر اب بھی، وہ زرم ٹہر جاتے اور کلیانی کا ہاتھ پیڑ کر بھاگتے تو شاید وہ رک جائی۔ لیکن آپ سے یہ تو ہونہ سکا۔ اس اعلانے چلاتے آیک اور چر کا دبایا بولے گا کہ مگہنڈ ہو گا۔"

کلیانی نے دروازہ پر ٹھہر شوہر کی طرف سرخ آنکھوں سے دیکھا اور بچپن کر لیو۔ "ماں کہ دلے میری تقدیر کے ساتھی نہیں ہیں اور نہ میں اتنی کمیہ ہوں کہ ان کی روٹیوں پر جا پڑوں۔"

اودے بھان؟ "تب کہاں جا رہی ہو؟"

کلیانی؟ "تم پر لوچنے والے کوئی ہوتے ہو۔ ایشورگی دنیا میں بیشمار آدمیوں کے لیے مجھے ہے تو پھر کیا میرے لیے جگہ نہیں ہے؟"

یہ کہہ کر کلیانی کرے کے باہر نکل گئی۔ صحی میں جا کر اس نے ایک بار آسمان کی طرف دیکھا، سکھا ستاروں کو گواہ کر رہی ہے کہ میں اس گھر سے کتنی بے دردی سے نکالی جا رہی ہوں۔ ماتھ سے گبارہ بچ گئے تھے۔ گھر میں سنا تا پھایا ہوا تھا۔ دونوں لڑکوں کی چارہائی اُسی کرہ میں رہتی تھی۔

وہ اپنے گمراہی میں آئی۔ دیکھا چند رجھان سویا ہے۔ سب سے چھوٹا سورج بھان چار پانی پر سے اٹھ بیٹھا ہے۔ ماں کو دیکھتے ہی وہ بولا: ”تم یہاں رکھاں، دلی (دگنی) تھیں، اماں؟“
کھلیاں۔ دور ہی کھڑی ہی پڑنی بولی۔ ”کہیں نہیں بنیا، تمہارے باپو جی کے پاس گئی تھی۔“
سورج: ”تم تلی دیکھیں، مجھے اتنی ڈر لدتا۔ تم یہوں تلی دی تیس ہے بتاؤ۔“

یہ کہہ کر پچھے لے گو دیں جانے کیلئے دلوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ کھلیاں اب فضماں کر سکی۔ بہرداری کی اصرت دھارا سے اس کا ملتا ہوا دل تربتھو گیا۔ دل کا نارک پودا جو غصہ کی آنکھ سے مر جھاگیا سخا۔ پھر شاداب ہو گیا۔ آنکھیں نہ ہو گئیں۔ اس نے بچے کو گو دیں اٹھایا۔ اور سینہ سے لٹا کر بولی۔ تم نے مجھ پکار کیوں نہ لیا بیٹا؟“

سورج پکالتا تو تا، تم چھپتی ہی نہیں۔ بتاؤ، اب تو تباہ نہ داؤ دی؟
کھلیاں: ”نہیں بھیا۔ اب کبھی نہ جاؤں گی؟“

یہ کہہ کر کھلیاں سورج بھان کو لے کر چار پانی پر لٹی۔ ماں کے سینے سے لٹپتے ہی پچھے کھلکھلے ہو کر سو گیا۔ کھلیاں کے دل میں وسو سے بھون لگئے۔ شوہر کی باتیں یاد آتیں تو جی میں آتا کہ کھڑکو یکدم چھوڑ چلے جاؤں۔ چرخوں کا مند دیکھتی تو پیار سے دل پر رقت طاری ہو جاتی۔ بچوں کو کس پر جھوڑ کر جاؤں؟ میرے ان لاکر کوں پالیگا؟ یہ کس کے ہو کر رہیں گے؟ کون بڑے سوہرے سکھیں دودھ اور مٹا کھلانے تھا؟ کون ان کی نیند سوئے تھا، ان کی نیند جاتے چاہیے چاہیے کوڑی کے تینا ہو جائیں گے نہیں پیارے بچہ امیں چھوڑ کر نہ جاؤں گی۔ تمہارے لئے سب کچھ سہ لوں گے۔ بے عزمی ذلت، بل کٹھ کھوٹ کھری، دھمکی، جھڑکی، سب تمہارے لیے سہوں گی۔

کھلیاں تو بچے کو لے کر لٹی۔ مگر مابلو صاحب کو نیند نہ آئی۔ انھیں چوٹ سکرنے والی باتیں بڑی مشکل سے بھولتی تھیں۔ اُف! یہ مزاج، ٹگویا میں ہی ان کی بیوی ہوں۔ بات مند سے نکالنی مشکل ہے۔ اب میں ان کا غلام ہو کر رہوں۔ کھڑیں تمہارے رہیں اور باتی ختنے بیگانے بیگانے ہیں وہ سب نکال رہے جاوہں۔ جلا کرتی ہیں، منانی ہیں کہ یہ کسی طرح مرے تو میں آرام سے رہوں۔ دل کی ہات مرستے نکل ہیں آتی ہے۔ خواہ کون گتنا ہی چھائے۔ کہی مردز سے دیکھ رہا ہوں، الیسی جل کٹی سنا یا کرتی ہیں۔ کہ بس۔ ماں کہ کا گھنڈ ہو گا۔ لئیں وہاں کوئی بات بھی نہ بروچھے گا۔ انھی سب اُنھیں کرتے ہیں، جب جا کر سر زر جائیں گی تو آنما دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ ورنی ہوئی آنھیں گی واہ رے گھنڈ، سوچنڈ ہیں کہ میں ہی یہ گرستی چلائی ہوں۔ انھی چار دن کو چلا جاؤں تو معلوم ہو۔ تب دیکھوں کیا کرتی ہیں۔ بس پار ہن دن میں تو معلوم ہو جائے گا۔ ساری ششی کھری ہو جائے گی۔ ایک بار تو اُنکا گھنڈ توڑ جی دوں۔ ذرا بیوگی کامزہ بھی چکھا دوں۔ نہ جانے ان کی ہمت کیسے ٹپنے ہے کہ مجھے

اس طرح کو نے لگتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ محبت انھیں چھو نہیں گئی یا سمجھتی ہیں کہ یہ گھر سے اتنا لپٹا جائے کہ اسے چاہے جتنا کو سوں، ملے کہا نام نہ لے جما۔ یہی بات ہے۔ مگر یہاں دنیا سے لتنے والے نہیں ہیں جنہم میں جائے وہ مگر جہاں نا یکے آدمیوں سے پالاڑے مگر جیسا رک! آدمی باہر سے تھا اُنمہ تھا ہے تو گھر میں اسے آرام لتا ہے۔ یہاں آرام کے عوفی کو سنا سنا پڑتا ہے! میری موست کے لیے برت کئے جاتے ہیں۔ یہ ہے کہیں سال کی ازدواج زندگی کا نتیجہ! اب میں چل ہی دوں۔ جب دیکھوں گا کہ ان کا سارا گھونڈ منڈی ہیں مل گیا۔ اور مرا جٹھندا ہو گیا تو لوٹ آؤں گا۔ چار پانچ مردوں کا ہوں گے۔ لوٹنے کی کیا یاد کرو گی گہرے کسی سے کام پڑا تھا۔

یہی سوچتے ہوئے بابو صاحب اٹھے، لشمنی چادر خلیے میں ڈالی، کچھ روپے لے۔ اپنا کارڈ نکال کر دوسرا کی جیب میں رکھا، چھری اٹھائی اور چپ کے سے باہر نکلے سب تو کریمی میں مست تھے۔ سکتا ہے پاکر چوپک پڑا اور ان کے ساتھ ہدایا۔

مگر کون جانتا تھا کہ یہ ساری باتیں کارکنان قضاقد رست کے ہاتھوں ہو رہی ہیں زندگی کے ایشانی کے لئے در دست قبليں کس معلوم خفی مقام پر مشیجے ہوئے اپنی مقابل فہمی بے در دین کا تاشاد کھار ہے جنہیں یہ کون جانتا تھا کہ نقل اصل ہونے جبار ہی نہ، تماشا سپجائی کی صورت اختیار کرنے والا ہے۔

شبِ درجوب نے پاند کو شکست دے کر اپنا عذر آمد قایم رکھا تھا۔ اُس کی شیطانی فوجِ قدرت پر اپنا رقب جائے پڑے تھی۔ رونی جذبات من چھائے پڑے تھے اور نفسانی جذبات فردِ رخوت سے اکثر نے پھرتے تھے جنگلوں میں درندے شکار کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ شہر دن بیب بد معاش لوگوں کو چکو چ منڈلاتے پھرتے تھے۔

بابو اولے بھان لال نیزی سے گلکاکی طرف پلے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنا کرننا گھاٹ پر رکھ کر پانچ روز کے لیے مراد پور ملے جلنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ان کے پیڑے دیکھو کر لوگوں کو ان کے ڈوب جانے کا یقین ہو جائے گا۔ کارڈ کر تئی کی جیب میں تھلہ پتہ لگنے میں گونی دقت نہ ہو سکتی تھی۔ آن واحد بیان سارے شہر میں خبر شہر ہو جاوے گی۔ آٹھ بجتے بجتے تو سارا شہر ہیرے دروازے پر قبضہ ہو جائیگا۔ تب دیکھوں کہ دلمری جھیکاری ہیں۔

یہی سوچتے ہوئے بابو صاحب گلکیوں میں چلے جا رہے تھے۔ دفتار انھیں اپنے پیچے کی دوسرے آدمی کے آنے کی آہستہ ملی۔ سمجھئے کوئی ہرگز کا۔ اُسکے پڑھے لکھن جسکل سے وہ طرتے اسی طرف وہ آدمی بھی ٹرزا تھا۔ اس وقت بابو صاحب کو اندیشہ ہوا کہ یہ آدمی میرا ہمیچا کر رہا ہے۔ ایسا معلوم ہو اکاں کی نیت صاف نہیں ہے۔ انہوں نے فوراً جسی لاثین نکالی اور اس کی روشنی میں اس آدمی کو دیکھا۔ ایک طاقت ور شخص کندھے پر لٹھ رکھئے چلا آتا تھا۔ بابو صاحب اسے دیکھتے ہی چوپک پڑے۔ یہ شہر

مشہور بد معاش تھا۔ تین سال قبل اس پرڈاک کا مقدمہ چلا تھا۔ اودے بھان لائے اس مقدمہ میں مکالمہ کی طرف سے پیر دی کی تھی اور اس بد معاش کو تین برس کی متعدد لائی تھی۔ جبھی سے وہ ان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ اسلیہی وہ جھوٹ کر آیا تھا۔ اج اتفاقاً بالو صاحب تھہارات کو دکھانی دیئے تو اس نے سوچا کہ ان سے بدلہ لینے کا یہ اچھا موقع ہے۔ ایسا موقع شاید ہیں پھر کبھی بلے فوراً پچھے ہو لیا۔ اور حملہ کرنے کی گھات ہیں تھا کہ بالو صاحب نے الیں جلائی۔ بد معاش ذرا لٹھپتی کر بولا۔ ”کیوں بالو جی، سمجھاتے ہوئے ہیں ہوئی تھی؟“

بالو صاحب نے ڈاٹ کر کہا۔ تم میرے پچھے پچھے کیوں آ رہے ہو؟“
”تھی۔“ کیوں، کسی کو راہ پلنے کی منابی (مانع) ہے؟ یہ گل تھا۔ باب کی ہے؟“
بالو صاحب جوان میں کشی لوتے تھے۔ اب بھی مٹے کئے آدمی تھے۔ دل کے بھی پچھے ز تھے چھڑی سماں
کر لے۔“ آجی شاید جی نہیں بھرا؟ اب کے سات سال کو چاہے؟“
”تھی۔“ پس سات سال کو جاؤں یا چورہ سال کو گزر نہیں جیتا۔ چھوڑوں گاہاں گرتم ہیرے
پیدوں پر گر کر قسم کھاؤ۔ اب کسی کو متراز کراؤ۔ نگاہوں پھر میں پیدوں۔ بلو ممنور ہے؟“
ادے بھان：“تیری شامت تو نہیں آئی ہے۔“
”تھی؟“ شامت میری نہیں آئی۔ نہاری آگ ہے۔ بولو۔ کھانے ہو تو قسم ایک
منیا۔ دوپیا؟“
ادے بھان دگر سچ کر ہست جا بد معاش سامنے سے۔“
”تھی۔“
منہ سے تین کی آواز نکلتے ہی بالو صاحب کے سر پر لٹھ کا ایسا نلاہوڑا ہا نخوٹ پر اکہ ددے ہوش
ہو کر زیین پر گر پڑے۔ منہ سے صرف اتنا ہی نکلا۔“ ہے، مارڈا!“
تھے نے پاس جا گردیکھا تو سر پھٹ گیا تھا۔ درخون کی دھار بھیہ رہی تھی۔ بھن کا کہیں پتہ نہ کھلدا
سمی گی کے کام تمام ہو گیا۔ اس نے کلائیت سوئے کی گھڑی چھوٹی۔ کرتے سے سونے کے ٹھن کا مٹے
لیے۔ اٹکل سے انگوٹھی اتنا ری اور اپنی راہ پلا گیا۔ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ البتہ اتنا تو سی کہ لاش
کو راستے کھینچ کر ایک طرف ڈال دیا ہے۔ جیسا۔ تھر سے کیا صور کر گئے تھے اور کیا ہو گیا۔
زندگی تھوڑتے زیادہ نایاب اور بھی دنباہی کوں چیز ہے؟ کیا اسی عرانی کی طرح نہیں ہے جو ہو کر
ایک جھوٹ سے تھے جاتا ہے؟ پانی کے اسی میلے کو دیکھئے ہو۔ مگر اسے تو جنے پر بھی کو دیر لکھتی ہے۔
زندگی میں لختا پانداری بھی نہیں۔ سالنس کا بھر دسر کیا ہے اور اسی بھر دسے پر جم اپنی اور روشنکا
کنہا ہائیشان محلہ بناتے ہیں! یہ نہیں جانتے کہ اندر جانے والی ساضس باہر آئے گی یا نہیں،“

”جس

سوچتے اتنی دوڑکی میں کگو یا ہمیں فنا نہیں!

دسمبر

بیوہ کی فریاد اور تیموں کی گریہ و زاری سن کر ہم ناظرین کامل نہ کھائیں گے جس پر فوجی ہے وہ روتا ہے، چلاتا ہے، پچھاڑیں کھاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں، اگر آپ چاہیں تو کلیاں لے کے اُس سخت روعلیٰ قلق کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اس کرو اس خیال سے ہورہا تھا کہ ہیں ہی اپنے دل و جان کے ماں کی قانلہ ہوں اور کلمے جو غصے کے جوش میں اس کی بے لگام زبان سے نکلتے تھے۔ اب اس کے دل کرنے پر کھلپنی کئے دیتے تھے۔ اگر شوہر نے اس کی گود میں کراہ کراہ کر جان دی ہوتی تو اسے لیکیں ہونی کر دیں نے ان کے متعلق اپنا فرض لا کر دیا۔ غرددہ دلوں کو اس سے زیادہ لشکیں اور کسی بات سے نہیں ہوتی۔ اسے یہ خیال کر کے لتنا اطمینان ہونا کہ میرے ماں مجھ سے خوش پر کر گئے۔ آخر وقت تک ان کے دل میں میری محبت برقرار رہی۔ ملکیان کو یہ اطمینان نصیب ہوا۔ وہ سوچتی کہ ہائے میری بچپنی سال کی دریافت فائع ہو گئی ہیں۔ آخر وقت میں ماں کی محبت سے ہمدرم رہی۔ اگر میں نے انھیں ایسے سخت الفاظ نہ کہے ہوتے تو وہ رات کو گھر سے باہر ہرگز نہ جاتے۔ نہ جانے ان کے دل میں کیا سی خیال پیدا ہوئے ہوں۔ ان کے خیالات کا اندازہ اور اپنے گناہ میں اضافہ کر کے وہ آنھوں پہنچتی رہتی تھی۔ جن بچوں پر وہ مان دیتی تھی، اب ان کی صورت سے چڑھتی تھی۔ انھیں کے سب مجھ کو اپنے ماں سے جھگڑا اموں لینا پڑا۔ ایسا میرے دشمن ہیں۔ جہاں آٹھوں پہنچرہی سی گلی رہتی تھی وہاں اب خاک اڑتی تھی۔ وہ میلا ہی انھوں کیا تھا۔ جب کھلائے والا ہی نہ رہا تو کھانے والے وہاں کیسے پڑے رہتے۔ رفتہ رفتہ ایک ماہ کے اندر سمجھا بھا بجے بھینجے خست ہو گئے۔ جن کو دعویٰ نہ کا کہ ہم پیغمبر کی جگہ ہو بھانے والوں میں میں وہ ایسا سرپٹ بھاگے کہ تجھے پھر کر جی نہ دیکھا۔ دنیا بھی دوسرا ہو گئی۔ جن بچوں کو دیکھ کر سارگرنے کو جی چاہتا نہ تھا۔ ان کے چہروں پر اب سکھاں بھیجناتی تھیں۔ ذہانے وہ روشنی کیاں علیحدی تھیں۔

رنج گھٹا تو نر ملا کے بیا کا مسئلہ درپیش ہوا۔ پچھلے لوگوں نے رانے دی شادی اس سال ملتوي کی جائے لیکن ملکیان نے کہا کہ اتنی تیاریوں کے بعد شادی ملتومی کر دینے سے سب کیا دھرا خاک میں مل جائے گا۔ اور دوسرے سال پھر یہی تیاریاں کرنی پڑیں گی۔ جس کی کوئی امید نہ تھی۔ بیاہ کر دینا ہمیں بھتر ہے۔ کچھ لینا رہنا تو ہے نہیں، برآتیوں کی مہمانداری کا کافی جند و لبست ہو جا گا۔ پس تو قوف سے نقصان ہی نقصان ہے۔ پس با بوجھاں چند رکو اس حادثہ کی خبر کے ساتھی پیغام بھی بھیج دیا گیا۔ ملکیان نے اپنے خط میں لکھا۔ اسے بے کس پر جنم کیجئے اور تو دبی ہوئی ناؤ کو پارہ لگایجئے۔ سو اسی جی کے دل میں پڑے پڑے حوصلے سنئے مگر ایشور کو کچھ اور منظور نہ تھا۔ اب

میری لاج آپ کے باتھ ہے۔ لہاک آپ کی ہو چکی۔ میں آپ لوگوں کی خاطرداری کرنے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہوں۔ لیکن اگر اس میں کچھ کمی ہو تو اکوئی غلطی صرزد ہو تو میری مالت کا خیال کر کے مجھے معاف کیجئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ خود مجھے بے کس کی بد نامی نہ ہونے دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

لکھیاں نے بخط ڈاک سے نہ بھیجا بلکہ پر وہت جی سے کہا۔ آپ کو تکلیف نہ ہو گی مگر آپ خود جا سرین خطر دیجئے گا۔ دسر کا جانب سے نہایت طاقتی کے ساتھ ہو جتنے کم لوگ آئیں اتنا ہی چاہیاں کوئی انتظام کرنے والا نہیں ہے۔ پر وہت جا بی خطر لے کر تیسرے روز لکھنؤ جا سنبھے۔

سام کا ذوق سخا۔ با بو بحال چند رویاں فانے کے سامنے آ را مکر رسی پر بر جہنہ لیتے ہوئے حقہ پل رہے تھے۔ بہت موٹے اور بلند قامت شخصیں تھے۔ ایسا معلوم ہوا تھا کہ کالا دیوبے یا کوئی جنسی افرید سے پکڑ کر آیا ہے۔ سر سے پیر تک ایک ہی رنگ تھا۔ سیاہ چبرہ اتنا سیاہ تھا کہ معلوم نہ ہوا تھا کہ ماں تھے گی اتنا کہاں ہے اور سرک ابتداء کہاں۔ بس کوئی کی ایک زندہ عیوب تھی۔ آپ کو کوئی بہت ستاق تھی۔ دو ادمی کھڑے پنکھا جعل رہے تھے۔ اس پر بھی پسینہ کا تارہ بندھا ہوا ہوا تھا۔ آپ کو کہ آپ کاری کے کسی بڑے عہدہ پر تھے۔ پانچ سو ۵۰، مشاہرہ ملتا تھا۔ تھیکہ داروں سے خوب تھوت سمجھی لیتے تھے۔ تھیکہ دار شراب کے نام پر پانی فروخت کریں، چو بیس گھنٹے دکان کھل کھیں، آپ کو صرف خوش رکھنا کافی تھا۔ سارا فائزون آپ کی خوشی تھی۔ اتنی بھی انک شکل تھی کہ جاندنی رات میں انھیں دیکھ کر دفترا لوگ چونک پڑتے تھے، حرف بچے اور عورتیں نہیں، مرد تک ڈر تے تھے۔ چاندنی رات اس لیے کہی گئی کہ اندھیری رات میں تو انھیں تو کوئی دیکھ ہی نہ سکتا تھا، میاں تاریں میں جزو ہو جائی تھی۔ صرف آنکھوں کا رنگ سرخ تھا۔ جیسے پکا مسلمان پانچ بار عماز پڑھتا ہے، آسی طرح آپ پانچ بار شراب پیتے تھے۔ مفت ک شراب تو قاضی کو علاں ہے پھر آپ تو شراب پر افسری تھے جتنی چاہیں پسیں، کوئی باتھ پکڑنے والا نہ تھا۔ جب پیاس لگتی۔ شراب پی لیتے جیسے کچھ رہموں میں باہمی رفاقت ہے اسکی طرح بچوں کو گلوں میں باہمی مخالفت۔ شراب کے مل جانے سے سیاہی لوگوں خوفناک ہو جاتی ہے۔

با بو صاحب نے بندہ تجی کو دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ کر کہا۔ اغا! آپ ہیں، آیے آئیے زہے نسبیں! کوئی ہے۔ کہاں پہنچئے گئے سب کے سب، جھکڑا دھکڑا دین، جھکڑا ری، بھوالي، رام، غلام، کوئی ہے؟ میکا سب کے سب مر گئے؟

پلورام غلام، بھوالی، جھکڑا ری، گور دین، جھکڑا دھکڑا کوئی نہیں بولتا۔ سب مر گئے رجن بھر ادمی میں مگر وقت پر ایک کی بھی صورت نظر نہیں آتی، نہ سب کہاں غایب ہو جانے ہیں۔ آپ کے داس سطھ کر سی لاو۔

بالآخر صاحب لے رہا نام کسی بارہ دھرائے تھیں یہ نہ ہو اکر پچھا جھلئے والے دونوں آدمیوں میں
یہ کسی کو کرسی لانے کے لیے بھیج دیتے۔ تین چار منٹ کے بعد ایک کالا آدمی کھانستا ہوا، اگر
بولا۔ سرکار، امیر تک لوکری ہماری تھیں ناہوںی۔ کہاں کہاں تک ادھار باری لے لے کھائی۔
ماں گنت مانگت تھی تھر جو تھیں۔

بھال چند روزت بکو، جا کر کرسی لاؤ۔ جب کوئی حامم کرنے کو کہا گیا تو روئے لگتا ہے کہیں
پنڈت جی، دیاں سب خبریت ہے؟“

موٹے رام؟ کیا خیر تک کہاں، بابو جی! اب خیریت کہاں؟ سارا گھر میں مل گیا۔
اتنے میں کہاں نے ایک ٹوٹا ہوا اچیر کا صندوق لاؤ کر رکھ دیا اور بولا۔

درکر سی میز ہمارا اٹھائے ناہیں اٹھت ہے۔“

پنڈت جی شرما نے ہوئے ذرتنے ذرتنے اس پر مشیجے کر مہادا کہیں ٹوٹ ز جائے ان کیلیں کلوخ خط
بابو صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

بھال چند ر۔ اب اور کیسے نہیں ملے گا۔ اس سے بڑی اور کون صیمت پڑے گی؟“

بابو اودے بھان لال سے میری بہانے دشی تھی۔ آدمی نہیں ہمیرا تھا۔ کیا دل تھا، کیا ہمت
تھی، آنکھیں لپک جو کر، میرا تو جیسے داہنہا ہاتھ ہی کٹ گیا۔ کھانے بیٹھتا ہوں تو نقہ منہ میں نہیں جاتا
ان کی صورت اسکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ مذہب جو ماں کر کے اٹھاتا ہوں کسی کام میں دل نہیں
لگتا۔ بھانی کے مرے کارنے بھی اس سے کم ہی ہوتا۔ آدمی نہیں ہمیرا تھا۔

موٹے رام؟ سرکار، بگر میں اب ایسا کوئی رہیں ہی نہیں رہا۔“

بھال چند ر، میں خوب جانتا ہوں پنڈت جی، آپ مجھ سے کی کتنے دیں ایسے آدمی لاکھ دلاکھ
میں ایک ہوتا ہے۔ جتنا ہی ان کو جانتا تھا، دوسرا، نہیں جان سکتا۔ یہی قیدار کی ملاقات میں ان کا
معتقد ہو گیا اور مرلنے دم تک رہوں گا۔ آپ سعدن صاحب کو کہہ دیجئے گا کہ مجھے دلی رکھ ہے۔
موٹے رام؟ آپ سے ایسی امید تھی۔ آپ حصیے سمجھے آدمیوں کا لمنا مشکل ہے ورنہ آج کل بلا جائز
کے نہ سی کا بیاہ کون کرتا ہے۔“

بھال چند ر، جہیز کی گفتگو ایسے راستا لے گئی کہ جاتی۔ ان سے تورستہ ہو جانا، ہی
لاکھ روپیے کے برابر ہے۔ میں اسی کو اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں آہ دل کتنا فیاض تھا! روپیہ کو
انھوں نے کچھ سمجھا ہی نہیں، اس کی تسلی کے برابر بھی پرداز نہیں کہا۔ ابرار واجہ ہے! بے حد برا۔
میرا بس پہلے تو جہیز لئیے والوں اور دینے والوں دونوں ہی کو گول سے اڑاکوں، باب صاحب،
صف گولی مار دوں! پھر پا ہے پھانسی تکیوں نہ ہو جائے۔ پوچھو، آپ لڑکے کی شادی کر تھیں۔

کہا سے سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کو لڑکے کی شادی میں دل کھوئ کر خرچ کرنے کا رمان ہے تو شوق سے خرچ کیجئے وہ اپنے بل بلوتے پڑے۔ یہ کیا کہ لڑکی کے باپ کا مکالمہ کمائے گئیں پا ہے، بیکھہ کیسیں! مدرس پسے نوان پا جیوں کو گول مار دیں؟“

مولیٰ رام: د صنیہ ہو، سرکار! گھومن نے آپ کو بڑی بدھی دی ہے۔ یہ دھرم کی برکت ہے۔ ہائی کی خواہش ہے کہ بیاہ کا مہورت وہی اس ہے اور تو انھوں نے ساری باتیں خط ہیں لکھ ہی دی ہیں۔ بس اب آپ ہی ہاتھ لگائیں تو ہمارا یہاں پار ہو سکتا ہے۔ اس طرح توبالت میں قبتنے لوگ جائیں گے اُن کی خاطر و دکر ہیں گے ہی گھر حالت اب بہت بد لگئی ہے سرکار کوں گرنے دھرنے والا ہیں ہے۔ بس ایسی بات سمجھئے کہ وکیل صاحب کے نام پر بیٹھ نہ لکے۔“

بھال چند ایک منٹ کے لیے آنکھیں بند کئے ٹھیک ہے، پھر ایک لمبی سانس کھینچ کر بولئے: ایشور کو منظور ہی نہ تھا۔ کہ وہ لکھنی میرے گھر آتی ورنہ کیوں یہ مصیبت نازل ہوتی ہے۔ سارے منسوبے خاک میں مل گئے خوشی سے پھولاز سما نہ تھا۔ کہ وہ مبارک وقت فریب آ رہا ہے۔ مگر کیا معلوم تھا کہ ایشور کے در باریں کچھ اور شاندیش ہو رہی ہے۔ مرنے والے کی یاد ہی دلانے کے لیے کافی ہے۔ ایسے دیکھ کر تو زخم اور سمجھی ہرا ہو جائے گا۔ اس حالت میں نہ جائے کیا کہ بیٹھوں۔ اسے د صرف سمجھئے بایا یہ کہ جس سے ایک پار بیری دستی ہو گئی پھر اس کی یادوں سے نہیں بھولتی۔ ابھی تو خیر اتنا ہی ہے کہ ان کی صورت آنکھوں میں لکھ ملتی رہتی ہے مگر وہ لڑکی گھر میں آنکھیں اس وقت تو میرا زندہ رہنا مشکل ہو جا دیگا۔ سچ مانتے رہتے رہتے میری آنکھیں پھوٹ جائیں گی۔ جاننا ہوں کہ روشنادھو نا فضول ہے، جو مریخیا دھ لون کر نہیں آ سکتا، صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے، مگر دل سے مجبور ہوں۔ اس انا تھہ لڑکی کو دیکھ کہ میر کا بچہ پھٹ جاوے چکا؟

مولیٰ رام: ایسا نہ کہیے، سرکار! وکیل صاحب نہیں ہیں تو میں آپ تو ہیں اب آپ ہی اس کے باپ کی طرح ہیں۔ وہ اب وکیل صاحب کی نہیں۔ آپ کی لڑکی ہے۔ آپ کے دل کو تو کوئی ماننا تھا ہی نہیں، لوگ سمجھیں گے کہ وکیل صاحب کے مر جائے کی وجہ سے آپ اپنے وعددے پھر گئے۔ اس میں آپ کی بد نایا ہے۔ دل کو ڈھارس دیکھئے اور سفہی خوشی سے لڑکی کو پیاہ لائی۔ ہاتھی مرے بھل تو لا کھو کا۔ لا کھو منصیبت پڑی ہے مگر الکن صاحب آپ لوگوں کا آ درستھا مارنے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھیں گی۔

ہالہ صاحب سمجھ گئے کہ پنڈت مولیٰ رام صرف پوچھی ہی کے پنڈت نہیں بلکہ بات ہو پا رہیں جو بہتر شوار ہیں۔ بولے۔ پنڈت جی، علفیہ کہنا ہوں کہ مجھے اس لڑکی سے ختنی محبت ہے آتی اپنی

لر کے بھی نہیں ہے۔ لیکن جب ایشور کو منظور ہی نہیں ہے تو میرا کیا بس ہے؟ یہ یوت ایک غریب ابد شگونی کی خبر ہے جو ایشور کی جانب سے ہم کو ملے ہے۔ یہ کسی آنے والی مصیبت کی خوبی آواز ہے ایشور صاف الفاظ ہیں کہہ رہا ہے کہ یہ شادی مبارک نہ ہوگی۔ ایسی حالت میں آپ ہی سوچتے کہ یہ رشنگ کی بات تک متناسب ہے آپ تو وہ وان آدمی ہیں۔ سوچتے جس کی شروعات ہی پد شگونی سے ہر اس کا اخیر بھلا مبارک ہو سکتا ہے ہی نہیں، جان بلو جھوٹ کھینچنے نہیں بلکہ جاتی بندھن سا ہے تے بھاگ کر کہہ دیجئے ہو گا کہ میں ان کا حکم ماننے کو تیار ہوں مگر ان کا تجھے اچھا زہو گا جو دعرض بن کر میں اپنے دلی دوست کی اولاد کے ساتھ یہ بے الصاف نہیں کر سکتا۔

اس ملنے نے پنڈت جی کو لا جواب کر دیا۔ مدعی نے وہ تبر سر کیا تھا جس کی کوئی کاش انکے پاس نہیں، دشمن نے انہیں کے ہنخیار سے ان پر وار کیا تھا اور وہ اس کا دفعہ نہ کر سکتے تھے وہ انہی کوئی جواب سوچ پڑی۔ ہے تھے کہ بالوں سا ہے نے پھر لوز کروں کو پکارنا شروع کیا۔ ارے تم سب پھر گانب ہو گئے! قبکڑو، جیکوڑ من بھوانی، گردین، رام غلام، ایک بھی نہیں بولتا، سب کے سب مرے۔ پنڈت جی کے داسٹے کھجور پان دال کی بھی کچھ فکر ہے؟ نہ مانے ان سجوں کو کوئی کہاں تک بھائے عقل پھوٹک نہیں گئی۔ دیکھو رہے ہیں کہ بھلا آدمی دور سے تھکا ماندہ پھلا آرہا ہے مگر کسی کو ذرا بھی پر واسنہیں! لا و پان وان رکھو! پنڈت جی! آپ کے لیے شریت تیار کراؤں یا پھلا پاری مٹھاں منگواروں؟

مرٹے رام جی مٹھائیوں کے متعلق قیود کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ان کا اصول تھا کہ گھنی سے بھی چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔ رسکھنے اور جیسی لذتوانیں بہت پسند تھے، مگر شریت سے انہیں رغبت نہ تھی۔ پان سے پیٹ بھرنانا کے اصول کے خلاف تھا۔ مائل سے بولے ”شریت پینے کی تو میری عادت نہیں، مٹھائی تھاں کھالوں گا“

بھال چندر: ”پھلا پاری نہ؟“
رٹے رام: ”اس کا تجھے کوئی خیال نہیں؟“

بھال چندر: ”ہے تو یہی بات جھوٹ چھات سب ڈھکو سلا ہے۔ میں خود اس کا قابل نہیں، ارے ابھی بک کوئی نہیں آیا۔ جپکڑو، بھوانی، گردین، رام غلام، کوئی تو بولے۔“

اب کے بھی وہی بورھا کھا رکھا نہ تھا ہو آکر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ ”سرکار! امور طلب دیروں جائے۔ ایسی نوکری موسے نہ ہوئی۔“ کہاں تو رہا؟ دور میں دورت گوڑ پڑیے لگتے ہیں؟

بھال چندر، تمام سمجھو کر ویا نہ کرو مگر طلب پہلے چاہیئے۔ دن بھر ٹھیڑے پڑے کھانسا کر دے۔ طلبہ تو متہاری بڑھی رہی ہے۔ جا کر بازار سے ایک آنہ کی کوئی نازہ مٹھاں لالدڑتی ہو ملہا۔“

کہا رکھ دے کر بالو صاحب گھر بیٹھ گئے اور یوسی سے بولے "وہاں سے ایک پنڈت جی آئے ہیں۔ یہ خط لائے ہیں، زر اپڑھون تو۔" یوسی صاحب کا نام رنگیل بانی تھا۔ گورے رنگ کی خوش دل خورت تھی جس وشا ب اس سے رخصت ہو رہت تھے، مگر کسی محبت کرنے والے کسی دوست کی طرح پھل بجل ستر سال تک جس کے سلسلے کا اور ہے اس کو چھوڑے نہ بنتا تھا۔

رنگیل بانی سیمی پان رکار ہی تھیں بولیں۔ کہہ بانی کہ ہمیں وہاں بیا کہ نامنگور نہیں؟" بحال چند رہ ہاں کہہ تو دیا مگر شرم کے ماء منے سے لفظ نہ بنتا تھا۔ جھوٹھوٹھوٹھ کا جلد سکرنا پڑا۔"

رنگیل اسات بات تھیں میں شرم کیا؟ بماری مرضی ہے نہیں کرتے۔ کسی کا کچھ لیا تو نہیں ہے، جب دوسری جگہ دس ہزار نقد مل رہے ہیں تو وہاں کیوں نہ کروں؟ ان کی لڑکی کوئی سرے کی تھوڑی ہے۔ دکیل صاحب یعنی ہوتے تو شرما تے شرما تے بھی پندرہ ہیں ہزار دے نکلتے اب وہاں کیا دھرا ہے؟"

بحال چند رہ، ایک مرتبہ قول دے کر پھر بانا بھی بات نہیں۔ کوئی منہ پر کچونہ کہے مگر بد ناہی ہوئے لغیر نہیں رہتی۔ پھر بھی تھماری فدستے خوبیوں؟"

رنگیل بانی نے پان کھا کر خط کھولا اور نہ ہٹنے لگ۔ ہند سوچ کی بھارت بالو صاحب کو نو باکل نہ تھی اور اگرچہ رنگیل بھی شاید ہی کبھی کوئی گناہ پڑھنے ہو، مگر خط وغیرہ بڑھتی تھی۔ پہلی ہی سطر پڑھ کر اس کی آنکھیں امُوں ہو گئیں اور خط کے غامبر پر اس کی آنکھوں سے آنسو بھہ رہے تھے۔ ایک ایک لفظ میں رقت تھی، ایک ایک حرف سے بے سی نیک رہی تھی۔ رنگیل بانی کا کڑا ان پھر کا نہیں لا کر کا تھا جو ایک ہی آنکھیں مچھل جاتی ہے۔ بلیاں کی رقت آمیز تحریر نے اس کے خود غرض دل کو پچھلا دیا بھرال ہوئی اور اسے قول۔ ابھی براہم بیٹھا ہے ذہنی

بحال چند رہوی کے آنسوں کو دیکھو دیکھ کر خشک ہرے باتے تھے۔ اپنے اور جعلدارے تھے کہ ناقع بین نے یہ خط اس کو دکھایا۔ اس کی غرورت ہی کیا تھی؟ اسی غلط ان سے بھی نہ رہی تھی۔ مشتبہ لوگوں میں بولے "شاید بیٹھا ہو، میں نے توجہ نہ کیہا دیا تھا۔"

رنگیل نے کھڑکی سے جھاگک کر دیکھا۔ پہلے مرئے ٹرام جس بیٹھے کی طرح دھیان لگائے بازار کے راستے کی طرف ناک رہے تھے۔ شوق سے مفترب ہو کر بھی پہلو بدلتے کبھی وہ پہلو۔ ایک آدکی مشعاں سے امید کی کرتے ہی تو ٹوڑی تھی، اس میں بھی تاخیر تو قیامت ہی تھی۔ بخوبی بیٹھا دیکھ کر رنگیل بول اٹھی۔ ہے ہے، بھی ہے۔ جاکر کہہ دو کہم بیاہ کریں گے، فرد رکریں گے۔

بیماری بڑی مصیبت ہیں ہے؟
بحال چند رات تک کہنے کو بھی بچوں کی سی باتیں کرنے لگتی ہو۔ ابھی اس سے کہہ آئیا ہوں کہ مجھے
بیاہ کرنا منظور نہیں جس کے لیے مجھے ایک لمبی چوڑائی تمہید باندھنی پڑی۔ اب جا کر یہ بات کو ہونگا
تو وہ اپنے دل میں کیا کہے گا؟ ذرا سوچو تو۔ یہ بیاہ کام عامل ہے، لامگوں کا کھیل نہیں ہے کہ ابھی
ایک بات لئے کی اور اسکی پلٹ گئے۔ جملے آدمی کی بات نہ ہوئی، دل لگنی ہوئی؟

رُنگیلی: اچھا تم اپنے منزہ سے مت کھو۔ اس بیہن کو میرے پاس بھیج دو میں اس طرح سمجھا دو گی
کہ تمہاری بات بھی رہ جائے اور ببری بھی۔ اس میں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے؟

بحال چند رات پنے سوا ساری دنیا کو نادان بھینتی ہو۔ تم کہہ بیاں کیوں کہوں۔ بات ایک ہی
ہے جو بات نہ ہو گئی۔ وہ ہو گئی۔ اب میں اسے پھر نہیں اٹھانا چاہتا۔ تمہیں تو ہمارا بارگاہی خیس
کر دیں وہاں یا ہم کروں گی۔ تمہارے ہی سبب مجھے اپنی بات پلٹنی پڑی۔ اب تم پھر رنگ بدلتی ہو،
یہ تو میرے چھال پر رنگ دلانا ہے۔ آخر تمہیں کچھ تو میری هفتت پے عزیز ناخیال ہو ناچاہیے؟

رُنگیلی: تو مجھے کیا معلوم مخاکر مجوہ کی حالت اتحادی ببری ہو گئی ہے۔ تمہیں نے تو کہا تھا کہ اس
نے اپنی شوہر کی ساری دولت چھپا رکھی ہے اور اپنی غربی کاڈ ہو گک رپکر کام کھانا چاہتی ہے،
ایک ہی حصہ ہوئی عورت ہے۔ تم نے جو کہا سے میں نے مان لیا۔ س حالانگر کے براں گر کے براں گر نے میں تو شرم د
غیرت ہے۔ براں گر کے بھلانی کرنے میں کوئی اشم و غیرت نہیں۔ اگر تم باں سکرائے ہوتے اور میں
نہیں گرنے کو کہتی تو تمہارا ہمچکنا منا سب ہونا بہبیں کرنے کے بعد ہاں کرنے میں تو اور اپنی بڑاں
ہیں ہے؟

بحال چند رات معلوم ہوتی ہو۔ مگر مجھے کہیں پن ہی معلوم ہو جاتے ہے۔ پھر تم نے یہ کہیے
مان لیا کہ میں نے دکیل صاحب کی بیوہ کے بارے جو بات کہی تھی۔ وہ جھوٹی تھی۔ کیا یہ خط پڑھ کر تم

بیت خود سیدھی سلومن ہوا یہی دوسروں کو بھیتی ہو؟

رُنگیلی: اس خط میں بنادٹ سنبھل معلوم ہوتی۔ بنادٹ کی بات دل میں بیجتی نہیں اس
میں بنادٹ کی بو ضرورت تھی ہے؟

بحال چند رات بنادٹ کی بات تولد میں ابھی تھی ہے کہ پہنچ بات اس کے سامنے بالکل
پھیکی معلوم ہوتی ہے۔ یہ قصہ کہاں لکھنے والے جنی کی کتابیں ٹھہر پڑھ کر کئی حصشوں رہتی ہو کیا
بڑے باتیں لکھتے ہیں؟ سراسر جھوٹ کا طوفان باندھتے ہیں یہ بھی ایک ہنس رہے؟

رُنگیلی: کیوں جن تتم مجھے سے بھی اڑتے ہو؟ دال سے پہنچ چھپاتے ہو؟ میں تمہاری ہاتیں
مان لیتی ہوں تو تم سمجھتے ہو کہ اس کو چکما دے دیا۔ مگر میں تمہاری ایک ایک رنگ پہنچا دیوں۔

تمہارا بھائی میرے سرمنڈھ کر خود بے داش بننا چاہتے ہو تو لوگوں کو جو تھوڑے کہتی ہوں ہب و کیل
صاحب حق نے تو تم نے سوچا تھا کہ قرار کی ضرورت ہی کیا ہے، جتنا مناسب صحیح گے
دستے دستے کے بلکہ بلا قرار کے اور زیادہ ملٹے کی امید ہو گی۔ اب جو دلیل معاہدہ کا مسروغ باش
ہو گیا تو طبق طرح کے جیلے کرنے لگے۔ یہ شرافت نہیں کہیں پہنچتا ہے۔ اس کا لزام بھی تمہارے ہی
سر ہے۔ اب شادی بیاہ کے قریب نہ جاؤں گی۔ تمہاری صحتی مرضی ہو سکرنا۔ دمہونگی آدمیوں
کے میخے چڑھتے ہیں۔ جو بات کرو چنان سے کرو اپرا ہو یا بھلا؟ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور
دال مثال پر چلنا تمہارے لیے بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ بولو اب بھی دہان شادی کرتے ہو یا نہیں؟
بھال چندر: جب میں بے ایمان، دعا باز اور جھوٹا ٹھہر ا تو مجھ سے پوچھنا ہی کیا ہے گر خوب
پہچانئی جو آدمیوں کو اکیا کہنا تھا، تمہاری اس سوچوں کے بلہاؤ ہی!

رٹکیل: ہو ٹرے حیاد ار، اب بھی نہیں ہے شریانے۔ ایمان سے کہو، میں نے بات ناٹلی کہ نہیں؟
بھال چندر: اجی جاؤ۔ وہ دسری عورتیں ہوتی ہیں جو مردوں کو پہچانتی ہیں۔ اب بھی
میں بھی کہتا تھا کہ عورتوں کی تکھا بہت باریک ہوتی ہے، مگر وہ ان بھر جاتا رہا اور رہا تو اُن
نے عورتوں کے بارے میں جواہم بتایا کہی ہیں۔ ان کا ماننا پڑا۔
رٹکیل: ذرا آئیں جیں صورت دیکھو آؤ۔ تمہیں میری قسم ہے۔ ذرا دیکھو لو۔ کتنا جھینپے
ہوئے ہو۔

بھال چندر: پنج کہنا کتنا جھینپا ہوا ہوں۔
رٹکیل: اتنا ہی۔ کتنا ٹکوں بھلا مانس چور چوری کھلی جانے پر جھینپا ہے؟
بھال چندر: خیر جھینپا کہی مگر شادی دہان نہ ہو گی۔
رٹکیل: میری بلا سے اجہاں چاہے کرو۔ کیوں، بھون سے ایک بار کیوں نہیں پوچھ لیتے؟
بھال چندر: اچھی بات ہے اسی پر فیصلہ رہا۔
رٹکیل: ذرا اچھی اشارہ نہ کرنا۔

بھال چندر: اجی میں اس کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔
اتفاقاً تھیک اسی وقت بھون نوہن بھی آہنپا۔ ایسے تکیل، سُدُول مصوط نوجوان کا لمح
میں کم نظر آتے ہیں بالکل ہی مشارب تھا۔ وہی گورا صاف رنگ۔ وہی نازک گلاب کے سپکھڑی
حیسے ہو نہ، وہی چوڑا تھا، وہی ٹری ٹری آنکھیں، البتہ قدر بآپ کا سانحہ۔ اونچا کوٹ،
بر کھر مٹانی، بلوٹ، ہیٹ اس کے بدن پر بہت بھلے بھلے لگتے تھے۔ یا تھیں ایک ایک ایک سمجھی
رفتار میں شباب کا غرور تھا۔ آنکھیوں میں خودداری کی جھلک۔ رٹکیل نے کہا۔ آج تم نے

بڑی دیر کی۔ یہ دیکھو، تمہاری سسرال سے ایک خط آیا ہے۔ تمہاری ساس کا لکھا ہو امداد مان
بنلا دو، ابھی وقت ہے کہ تمہیں وہاں بیاہ کرنا مستظر ہے کہ نہیں۔
بھون: ”اگر ناتوچا ہے اتاں، مگر میں نہ رکھا نہیں۔“
رنگیلی: ”کیوں؟“

بھون: ”کہیں ایسی شادی کرو دیجئے کہ خوب رو پے ملیں۔ اور نہ سہی، کہم سے کم ایک لاکھ
تو ملیں۔ وہاں اب کیا رکھا ہے؟“ دکیل صاحب تواب رو ہے نہیں، ٹرھیا کے پاس کیا ہو گا؟“
رنگیلی: ”تمہیں ایسی باشی منہ سے نکالتے شرم نہیں آتی؟“
بھون: ”اس میں شرم کی کوئی بات ہے؟ روپے کے کامٹے ہیں؟ لاکھ روپے تو لاکھ جنم ہیں جی
جمع کر پاؤں ہگا۔ اس سال پاس بھی ہو گیا تو کم از کم پانچ سال تک تو روپے کی صورت نہ رکھاں
پڑے گے۔ پھر سو دسو روپے ہاہوا کمانے لگوں گا۔ پانچ جو سو تک سنبھلے نہیں عمر کا بین چوخاں
دستہ ختم ہو جاوے گا، روپے چھٹ کرنے کی نوبت ہی ز آتے گی۔ دنیا کا کچھ لطف نہ حاصل سر سکو ہگا۔
کسی امیر کی لڑکی سے شادی ہو جاتی تو چین سے گزرن۔ میں زیادہ نہیں چاہتا بلکہ ایک لاکھ قدم
ہو یا پھر کوئی ایسا جائیداد والی بیوی ملتے ہیں کہ ایک ہی لڑکی ہوا!
رنگیلی: ”چاہے عورت کیسی ہی لے؟“

بھون: ”روپیہ سارے نیبوں تو چھپاے گا۔ مجھے دو گالیاں بھی سنائے تو چون نہ رکوں۔
و دھار گائے کی لات کے بھی معلوم ہوتی ہے؟“
بابو صاحب نے تعریف کے لجوہ میں سمجھا۔ ”میں ان لوگوں سے ہمدردی ہے اور رنج ہے
کہ ایشور نے انہیں مصیبت میں ذرا لارکیں عقل تے کام کر لے گرہی کوئی بات ملے کرنے چاہئے۔ ہم
مکتفے ہے حالوں سے جائیں پھر بھی ابھی خاصی بارات ہو جائے گی۔ وہاں گھانے بھک ٹھکانا نہیں۔
سوائے اس کے کہ لوگ مہنسیں اور کوئی تیجہ نہ ہو گا۔“
رنگیلی: ”تم بآپ بیٹے دونوں ایک تھیلی مگر چیز ہے ہو۔ دونوں اس غریب لڑکی کے گلے پر
چھرمی چلانا چاہئے ہو۔“

بھون: ”جنو غرب ہے اسے غریب ہی کے یہاں رشتہ سندھ کرنا چاہئے اپنی جیشیت سے
ٹھوکر...“

رنگیلی: ”چپ بھی رہ۔ آیا ہے وہاں سے جیشیت لے کر۔ تم گھاٹ کے ایسے دھن سیٹھ مہوہ کوئی
اڑی درد اڑے پر آجائے تو ایک لومباپان کو تو رس جائے۔ ٹرہی جیشیت والے بنے ہیں۔“
یہ کہہ کر رنگیلی وہاں سے الٹا کر رسولی تھیک کرنے چل گئی۔ بھون موہن مسکرا اتنا ہوا پہنے

کمرے میں چلا گیا۔ اور بابو صاحب اپنی موچھوں پر ناؤ دیتے ہوئے باہر آئے کہ موٹے رام کو آخری فیصلہ سنا دیں۔ مگر ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔

موٹے رام جی کچھ دیر تک تو کار کا انتفار کرتے رہے۔ جب اس کے آنے میں بہت دیر گئی تو ان سے بیٹھا گیا۔ سو چاہیاں شیعہ شیخی کام نہ چلے گا۔ کچھ تدبیر کرنی چاہیے۔ تقدیر کے بھروسے ہیاں اڑے ملٹھے رہے تو جھوکوں سر جائیں گے۔ یہاں تمہاری دال نہیں گئیں گی اچپ کے سے چھڑی اٹھائی اور جد ہردہ کھا گیا تھا اسی طرف چلے۔ بازار ذرا ہی د در تھا۔ ایک لمبی میں حاضر ڈیکھا تو بذرھا کھا رہا ایک ہلوانی کی دکان پر بیٹھا چکر لی رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے آپ نے بڑی بے تلفی سے کہا: "ابھی کچھ تباہ نہیں ہے سیاہ مرد ایسے سرکار وہاں بیٹھے گزر رہے ہیں کہ جا کر سو گیا یا کہیں نہ اڑی پہنچنے لگا۔ میں نے کہا کہ سرکار یہ بات نہیں، بڑھا آدمی ہے آتے ہی آتے تو آئے گما۔ عجب آدمی ہیں، نہ جانے ان کے بیہاں کو کہا کہتے نہ ہوتا ہے؟"

کھاڑا: "مجھے جھوڑ تکر آج تک تو دسر ہلکا نہیں ہا اور نہ لٹکے گا۔ سال بھر سے طلب نہیں ہیں دیتے جہاں کسی نے طلب مانگی اور لگتے ڈالنے، بے چارہ نہ کر جھوڑ کر بھاگ مانا ہے وہ دونوں آدمی جو پنکھا جھل دے رہے تھے۔ سرکاری نوکر ہیں۔ سرکار سے دو آدمی ملے ہیں۔ اس لیے پڑے ہوئے ہیں ہیں کبھی سوچتا ہوں گے جیسا تیرانا نادیسی میری بھرن۔ دس سال کٹ گئے ہیں۔ سال دو سال اور اسی طرح کٹ جائیں گے؟"

موٹے رام: "تو تم اسکے ہی ہو ہے نام تو گئی کھاڑوں کا سنتے ہیں؟"

کھاڑا: "وہ سب ان دو ہیں ہیں کے اندر رہے اور جھوڑ جھوڑ کر چلے گئے یہ اپنا اربع جملے کو ابھی ان کا نامہ چاپ کرتے ہیں کہیں نوکری دلاتے ہیں گا ہے چلوں؟"

موٹے رام: "ابن جہت نوکری ہیں۔ کھاڑا تو آج کل دمہونڈے نہیں ملتے تم تو پرانے آدمی ہو۔ تمہارے لیے نوکری کی کون ٹھی ہے۔ وہاں کوئی تازہ چیزیں مجھ سے کہنے لگے کھوڑی بنا یہ گایا یا ان لگائیے۔ میں نے کہہ دیا۔ سرکار وہ بڑھا آدمی ہے۔ رات کو اسے میرا کھانا پکانے میں مکلف ہوں گے۔ میں کچھ بازار بیکھالوں گکا۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔ لوئے اچھی بات ہے۔ کھاڑا آپ کو دکان پر ملے گا۔ برونو شاد جی۔ کچھ نہ مال ہے ہلکو تو تازہ معلوم ہوتے ہیں، توں دو ایک سیر بھر۔ آ جاؤں وہیں پر نہ؟"

یہ کہہ کر موٹے رام جی ہلوانی کی دکان پر جا شیعہ اور لگتے ترمال چھکنے۔ خوب کچھ کر کھایا ڈھائی تین سیر جست کر گئے۔ کھاتے جاتے اور ہلوانی کی تعریف کرتے جاتے تھے شاہ جی نہیں اسی دکان کا عیسیا نام ساختا دیسا ہی مال بھی پایا۔ بنہس ولے ایسے رس گلے نہیں بناتے۔ قلائد اچھی